www.urdupalace.com

نورین غوری

گلابی دنیا

"اسپورٹس چینل لگاؤ۔۔۔" حمزہ نے ٹی وی لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

تو میں نے بھی اسی ٹون میں جواب دیا۔۔۔ "نہیں، مجھے یہ شو دیکھنا ہے۔"

www.urdupalace.com

"نہیں، مجھے میچ دیکھنا ہے۔ لگاؤ..... ورنہ میں ٹی وی توڑ دوں گا۔" حمزہ کی ہٹ دھرمی جاری تھی۔ مجھے پریشان کرنے کا کہاں کوئی موقع چھوڑتا تھا۔

"حمزہ! یہ کیا زبردستی ہے۔" میں نے زچ آکر کہا تو وہ مسکرایا۔ مجھے کمزور پڑتا دیکھ کر اور اپنی فتح کے جھنڈے لہرا کر اسے دلی سکون جو ملتا تھا تو پھر کبھی کبھی وہ میری بات مان بھی لیا کرتا تھا۔

عجیب سی طبیعت کا مالک تھا۔ میں نے بھی چینل نہیں بدلا تھا۔ شو دیکھ رہی تھی کہ بڑی امی کی آواز پر چونک گئی۔

"مرا! جاؤ میرے لیے چائے لے کر آؤ۔" بڑی امی کی بات پر کیسے انکار کرتی، میرا ڈانٹ کھانے کا بالکل بھی موڈ نہیں تھا۔ اس لیے خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی۔ اگر کچھ دیر رک کر شو مکمل ہونے کا انتظار کرتی تو نہ جانے کیا کیا سننے کو ملتا۔ میں وہاں سے غصے میں اٹھی اور اپنا غصہ جاتے جاتے ریموٹ پر نکالا۔ جب غصے سے میں نے وہ ریموٹ حمزہ کی طرف پھینکا تو حمزہ نے فوراً" ریموٹ سے چینل بدل کر اسپورٹس چینل لگا دیا۔

بڑی امی کے سامنے حمزہ میرے لیے اکثر نرم پڑ جاتا، پتا نہیں وہ بڑی امی سے ڈرتا تھا یا پھر اسے مجھ پر ترس آجاتا تھا۔ بڑی امی میری دل آزاری کا بھی کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں اب تو میں بڑی امی کے اس لہجے کی عادی ہو چکی تھی۔ بڑے ابو تو حمزہ سے بھی زیادہ پیار مجھ سے کرتے ہمیشہ رانی بیٹی کی طرح رکھا۔ ان کی وجہ سے ہی تو آج میں یونیورسٹی میں بزنس ڈپارٹمنٹ میں زیر تعلیم تھی۔

بڑی امی غصے میں کچھ بھی بول دیتیں۔ وقتی طور پر بہت دکھ ہوتا، خاص طور پر جب وہ مجھے امی ابا کے نہ ہونے کا ذمہ دار ٹھہراتیں۔ تو میں گھنٹوں خاموش رہتی اور دادی کی گود میں سر رکھ کر رو لیتی۔ تو دل کا بوجھ تھوڑا کم ہو جاتا۔ دادی کی گود میں سکون ہی اتنا ہوتا کہ سارے دکھ کہیں دور چلے جاتے۔

بڑے سے ہال میں ایک طرف لاؤنج تھا تو دوسری طرف کھانے کی میز، کارنر میں امریکن کچن میں آسائش کی ہر چیز موجود تھی۔ دادی کے کمرے کا دروازہ بھی ہال میں کھلتا تھا۔ اوپر والے پورشن کی سیڑھیاں ہال میں اترتی تھیں۔ سیڑھیوں کے ایک طرف دادی جی کا کمرہ تھا کیونکہ ان کو سیڑھیاں اترنے چڑھنے سے گھٹنوں میں درد ہو جاتا تھا اس لیے بڑے ابو نے ان کو نیچے ہال میں کمرہ دیا ہے باقی اوپر والے پورشن میں کمرے تھے۔

میں اپنے روم میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ کل فنانس کا ٹیسٹ تھا۔ جس کی تیاری میں مصروف، دنیا و جہاں کو بھول کر صرف اور صرف کتاب اور ذہن کے درمیان جنگ جاری رکھے ہوئے تھی۔ بڑی امی میرے کمرے میں آئیں، کچھ پل مجھے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔ "میں مارکیٹ جا رہی ہوں..... رات کا کھانا بنا دینا۔ پڑھائی کے ساتھ کام کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ اتنے سکھ تو ماں کے ہوتے ہوئے بھی نہ ملتے جتنے۔" وہ کہتے کہتے رک گئیں۔

میں نے خالی نظروں سے انہیں دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے میری آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

انہوں نے دوبارہ وار کیا۔ "مہارانی کی طرح رہتی ہو....." بڑی امی کی آنکھوں میں میرے لیے حقارت تھی۔

میں آج تک یہ بات سمجھ نہ پائی تھی کہ انہیں مجھ پر اتنا غصہ کیوں آتا ہے۔ "جی ابھی بنا دوں گی۔" "بنا دوں گی مطلب..... ابھی اٹھو اور رکھو کتاب۔" میں نے ان کی بات پر کتاب بند کی تو وہ چلی گئیں۔ میں نے ایک بار پھر بند کتاب کو دیکھا پھر میں نے سوچا کہ رات میں بیٹھ کر پڑھ لوں گی۔

رات کے کھانے کی میز پر دادی نہیں تھیں۔ حمزہ نے کھانا شروع کرتے ہی دادی کا پوچھا تو بڑے ابا نے بتایا کہ ان کے گھٹنے میں درد ہے بڑے ابا نے میری طرف دیکھتے ہی کہا کہ دادی کا کھانا ان کے کمرے میں پہنچا دوں میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جب میں کھانا

www.urdupalace.com

لے کر دادی کے کمرے میں گئی تو وہ درد سے کراہ رہی تھیں۔ ان کے گھٹنے میں شدید درد ہو رہا تھا میں نے آیوڈیکس لگائی اور پھر سکائی کرنے لگی۔ دو سے تین گھنٹے کی مشقت کا نتیجہ یہ ہوا کہ دادی کو نیند آنے لگی۔ وہ مجھے دعائیں دیتی نہ جانے کب سو گئیں۔ میں آرام سے آہستہ سے دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں آگئی۔

کتاب کھول کر دیکھا تو آنکھیں نیند سے بھری تھیں پھر بھی زبردستی پڑھنے کی کوشش کرنے لگی تو کتاب کے لفظ جھومنے لگے دل نے یہی کہا کہ حرا سو جاؤ صبح دیکھا جائے گا میں نے بھی بیڈ کی چادر درست کی اور لیٹتے ہی آنکھیں موند لیں۔

ناشتے کی ٹیبل کے پاس کھڑی میں بڑے ابا کے لیے چائے نکال رہی تھی جب بڑی امی زینے سے اترتے ہی مجھ سے مخاطب ہوئیں' وہ کہیں جانے کے لیے تیار تھیں۔ ہاں یاد آیا آج ان کے فلاحی ادارے کی خاص میٹنگ تھی۔ "حرا! حمزہ کی بلو شرٹ نہیں مل رہی ہے کل تو رانی نے دھوئی تھی۔" بڑی امی نے میرے علم میں اضافہ کرتے ہوئے کہا رانی ہمارے گھر میں جھاڑو' برتن اور کپڑے دھونے کا کام کرتی تھی جبکہ باقی تمام کام میری ذمہ داری شمار ہوجاتے۔

میں نے سعادت مند اور فرمانبردار بیٹی کی طرح کہا "جی بڑی امی' وہ میں نے تہ کر کے حمزہ کے کمرے میں رکھی تھی۔"

"جاؤ اب اسے ڈھونڈ کر دو۔" بڑی امی کے حکم کی تکمیل کرنے میں حمزہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

حمزہ نے الماری کے سارے کپڑے زمین پر ڈھیر کیے ہوئے تھے۔ میں نے زمین پر ڈھیر ہوئے کپڑوں کو دیکھا اور پھر حمزہ پر نظر ڈالی اور حمزہ سے کہا۔

"یہ کیا کیا تم نے؟ ایک شرٹ نہیں ڈھونڈ سکتے؟ دھیان سے کام کرو تو پتا چلے تمہیں۔" میں بلو شرٹ مسلسل ڈھونڈ رہی تھی اور ساتھ ساتھ بول رہی تھی۔

"جلدی ڈھونڈو۔ لیکچر بعد میں بھی دے سکتی ہو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" شیشے کے سامنے بال بناتے ہوئے حمزہ نے شیشے میں سے ہی مجھ پر نظر ڈالی۔

وہ میری باتوں سے بے زار ہو رہا تھا اور صاف ظاہر تھا کہ اسے میرا بولنا برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ اسے برداشت کرنا آتا ہی کہاں تھا۔ اتنے میں' میں نے شرٹ کپڑوں کے ڈھیر سے کھینچ کر نکالی۔

"یہ لو۔" میں نے شرٹ حمزہ کے سامنے لہرائی۔

اس نے غور سے دیکھا اور میرے ہاتھ سے لیے بغیر استری کرنے کو کہا کیوں کہ وہ خوب صورت شرٹ سلوٹوں سے مزین ہو چکی تھی۔ ایک پل کے لیے مجھے غصہ تو آیا غصے میں ہی استری اسٹینڈ پر شرٹ کو پھینکنے کے انداز میں رکھا اور استری کرنے لگی۔ پھر میں نے دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا۔ جو ساڑھے آٹھ بجا رہی تھی۔

"جلدی کرو۔" حمزہ کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی تو دل چاہا ادھر ہی چھوڑ دوں۔

"نوکر نہیں ہوں میں' اور بھی کام ہیں مجھے۔" پھر زبان کھولنے کے بعد یاد آیا کہ یہ تو بڑی امی کا حکم تھا۔ ان کی گستاخی تو وبال جان ہو سکتی ہے۔ میں نے استری کی ہوئی شرٹ حمزہ کی طرف پھینکی جو سارے کام کاج چھوڑے اسی کے انتظار میں میری طرف چہرہ کیے ہوئے تھا اور شرٹ کو پہننے کے انتظار میں کھڑا تھا۔

شرٹ پہن کر بٹن بند کرنے لگا تو پہلے سے دوسرا بٹن غائب تھا' میں کمرے سے باہر آنے کو ہی تھی کہ حمزہ کی آواز پر مڑی۔

"حرا۔۔۔" میں نے دل میں سوچا۔ "خدایا! اب کیا مصیبت ہے۔" پہلے سے دوسرا بٹن غائب تھا۔ حمزہ نے اس بٹن پر ہاتھ رکھے میری طرف دیکھا تو میں حمزہ کی سوالیہ نظروں کو سمجھ نہ پائی۔

"اب کیا ہوا؟" میں نے بے زاری سے پوچھا۔

"تم نے استری کرتے وقت دیکھا نہیں تھا۔" حمزہ بولتے ہوئے ـــــ بٹن بند کر رہا تھا اس بات کی وجہ اب تک نہ جان پائی تھی۔ اس لیے غصے میں بول

www.urdupalace.com

اٹھی۔

"استری ہو گئی نا، یہی بہت بڑی بات ہے۔"

"اچھا جی۔۔۔ اس بڑی بات کے ساتھ بٹن لگانے جیسی چھوٹی بات بھی کر دو۔" حمزہ نے اسی ٹون میں جواب دیا۔

میں واپس کمرے میں آئی۔ پیر پٹختے ہوئے ٹیبل کے پاس پہنچی دراز سے سوئی دھاگا نکال کر اس کی طرف بڑھی میری بے زاری میرے چہرے سے ظاہر تھی جب کہ حمزہ مسکرا رہا تھا۔ جیسے وہ لطف اٹھا رہا ہو۔ اس کی مسکراہٹ میرے چہرے پر غصے کے بل نمایاں کر گئی۔ میں نے بٹن شرٹ پر رکھا اور لگانا شروع کیا۔ میرے ماتھے کے بل حمزہ کو صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اس لیے اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی، میں نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ بات بنانے لگا۔

"غصے میں کہیں میری اسکن بھی اس کے ساتھ سلائی نہ کر دینا۔" حمزہ کی اس بات پر بھی میرا وہی انداز تھا جیسے سنا ہی نہ ہو۔

دل تو چاہا یہ سوئی اس کے سینے میں اتار دوں۔ میں نے سوئی کو غور سے دیکھا، پھر اسے پتا چلے گا کہ تنگ کرنا کیا ہوتا ہے۔ حمزہ مسلسل میرے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور میں پورے دھیان سے بٹن ٹانک رہی تھی۔ دھاگا کاٹنے کے لیے میں نے قینچی کے لیے دیکھا تو حمزہ کی طرف دیکھ کر ہی تھوڑا جھینپ گئی تو اس نے نظریں مجھ پر سے ہٹالیں۔

"قینچی کہاں ہے؟"

"مجھے کیا پتا۔" حمزہ نے اس جملے کو اتنا چبا کر کہا جیسے واقعی نہیں جانتا تھا۔

میں نے دانت سے کاٹنے کی کوشش کی تو میرا چہرہ حمزہ کے سینے پر تھا، جہاں میں اس کے دھڑکتے دل کی آواز سن سکتی تھی۔ اتنے قریب سے کچھ عجیب سا احساس ہوا جیسے بجلی کے ننگے تاروں کا کرنٹ لگا ہو۔ میرے دل کی دھڑکنوں میں ہلچل سی مچ گئی۔ میرے اندر کی ہلچل میرے ہاتھ سے ظاہر ہو رہی تھی، میں نے جلدی سے دھاگا شرٹ سے چھڑایا اور دراز میں رکھ کر حمزہ کو دیکھے بنا کمرے سے باہر آ گئی۔

"مجھے کیا ہو رہا ہے۔" میں نیچے کچن میں گئی۔ کھانے کی ٹیبل پر پانی کا جگ ـــــ بھرا ہوا تھا، میں نے پانی گلاس میں بھرا اور پھر ایک سانس میں پی لیا۔ پھر اپنا بیگ اٹھایا اور گیٹ کی طرف بڑھی اس سے پہلے کہ حمزہ سامنے آئے اور اس کی آنکھوں میں میرے لیے مذاق ہو مجھے چلنا چاہیے۔ میری حالت اس پر واضح تو ہوئی ہو گی وہ پتھر تو نہ تھا۔ زیادہ نہ سہی ہلکا سا جھٹکا اسے بھی محسوس ہوا ہو گا۔

گیٹ کے باہر حمزہ بائیک پر سوار تھا۔ وہ اپنی بائیک کو ریس دے رہا تھا، میں نے نظر چرا کر اسے دیکھا تو وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ میں اسے نظر انداز کر کے چلنے لگی تو اپنی بائیک لے کر میرے سامنے آ گیا۔ میری طرف دیکھے بغیر ہی بولا جس سے صاف ظاہر تھا کچھ تو احساس حمزہ کو بھی ہوا تھا کہنے لگا۔ "میری وجہ سے لیٹ ہوئی ہو نا۔۔۔ چلو میں چھوڑ دوں۔"

"اتنی مہربانی کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تمہاری مدد نہیں چاہیے۔ میں چلی جاؤں گی۔" میرا لہجہ برف میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں اس کے قریب نہیں آنا چاہ رہی تھی۔ حمزہ کا لہجہ بھی کچھ مختلف نہ تھا۔

"ٹھیک ہے جاؤ۔۔۔ مرو۔" حمزہ اپنی بائیک تیزی سے لے کر چلا گیا۔ یونیورسٹی سے گھر پھر گھر کے کام، ان کے ساتھ حمزہ کی نوک جھونک میں وقت ایسے گزر گیا جیسے اسے پر لگ گئے ہوں۔

☆ ☆ ☆

میرے امتحانات اگلے مہینے تھے۔ میں چاہ رہی تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت پڑھائی میں گزرے۔ میں کتاب کے صفحے کو الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہی تھی، یہ اکاؤنٹنگ اتنی مشکل کیوں ہے؟ کیا کروں؟ کس سے مدد لوں؟ میں نے کتاب اور نوٹ بک اٹھائی اور سیدھی حمزہ کے کمرے میں پہنچ گئی۔ وہ تو دنیا سے بے خبر سو رہا تھا۔

"حمزہ اٹھو۔۔۔" حمزہ میری آواز پر کہاں اٹھنے والا تھا،

www.urdupalace.com

میں نے دوبارہ حمزہ کے کان کے پاس جا کر زور سے آواز لگائی۔ "حمزہ اٹھو۔۔۔"

"کیوں اتنا چلا رہی ہو۔۔۔؟ سونے دو۔۔۔" مجھے حمزہ پر شدید غصہ آیا پھر سائیڈ ٹیبل پر رکھا گلاس میں نے اٹھایا جس میں پانی تھا۔ چند بوندیں میں نے حمزہ کے منہ پر چھڑک دیں۔ وہ اک دم سے اٹھا' غصہ اس کی آنکھوں سے چھلک رہا تھا' میں نے بھاگنے میں عافیت سمجھی۔

حمزہ نے اوڑھی ہوئی چادر کو ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "حرا کی بچی۔۔۔"

حمزہ میرے پیچھے بھاگا۔ میں سیڑھیوں پر تیزی سے بھاگی اور سامنے سے آتی بڑی امی سے ٹکرا گئی۔ اب ایک اور قیامت' میں وہیں ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

"لڑکی! تمہیں عقل نہیں۔۔۔ لڑکیوں کو اس طرح کی حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔" بڑی امی ابھی غصہ کر ہی رہی تھیں کہ پیچھے سے حمزہ کو آتے دیکھا تو ان کا غصہ اور بڑھ گیا۔ "بچی نہیں رہیں اب تم۔ ہوش کے ناخن لو۔۔۔ تمہارے ماں باپ بھی مصیبت کی گھنٹی ہمارے گلے باندھ گئے۔" بڑی امی کی ان جلی کٹی باتوں سے آنسو میری آنکھوں میں تیرنے لگے۔ وہ وہاں سے چلی تو گئیں پر' میرے سلگے ہوئے زخموں کو ادھیڑ گئیں۔ جاتے ہوئے حمزہ کو ساتھ لے گئیں کہ فلاحی ادارے کی کچھ فائلز چیک کروانی تھیں۔ حمزہ خاموشی سے بڑی امی کے ساتھ چلا گیا۔ جب بڑی امی مجھ پر برستیں تو کچھ بوندیں حمزہ اپنے دل پر بھی محسوس کرتا کیوں کہ اسے لگتا تھا کہ اس میں اس کی بھی غلطی ہے۔ میں کچن میں کھڑی تھی اور رو رو کر میری آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھی۔ آج امی ابو کی بہت یاد آئی۔ چھوٹی سی بات پر اتنی باتیں اگر میں آج اپنے ماں باپ کے ساتھ اپنے گھر میں ہوتی تو یہ بے جا روک ٹوک' ڈانٹ شاید میرا مقدر نہ ہوتی۔ دادو میری ہمدرد تھیں۔ وہ میری وجہ سے پریشان ہوں' میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی تھی' اس لیے ان کے سامنے آنسو بہا کر اپنے دل کا بوجھ بھی ہلکا نہ کر سکتی تھی۔ بس زیادہ پریشانی میں ان کی گود میں سر رکھ کر کچھ پل کو آنکھیں موند لیتی جس سے حمزہ کو تسلی ہوتی۔ اس وقت بھی میں دادو کے کمرے میں داخل ہونے ہی والی تھی کہ دروازے پر ہی حمزہ کی آوازیں آنے لگی۔ وہ دادو کے کمرے میں' ان سے باتیں کر رہا تھا۔ دادو نے کبھی ہم دونوں میں فرق نہ کیا تھا' اگر ایک ان کی آنکھیں تھا تو دوسرا ان آنکھوں کی روشنی۔

دادو' حمزہ سے کہہ رہی تھیں کہ "کیوں تنگ کرتے ہو اسے۔ بہت اکیلی پڑ جاتی ہے وہ۔"

"دادو۔۔۔ حرا نے آپ سے شکایت کی۔" گود میں سے اٹھ کر دادی کو دیکھتے ہوئے حمزہ نے کہا۔

"نہیں حمزہ' وہ تو کچھ نہیں بولتی۔ دیکھنا جب اس کی شادی ہو جائے گی اور وہ چلی جائے گی تو پھر تمہیں اس کی بہت یاد آئے گی۔"

"دادو اس سڑی سے شادی کرے گا کون؟" حمزہ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"چل ہٹ بدمعاش۔۔۔" دادو نے حمزہ کو چپت لگاتے ہوئے کہا تو میں نے بھی پھر حمزہ اور دادو کو ڈسٹرب نہ کیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

میں اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ آج دل پر ایک بوجھ سا تھا پتا نہیں کیوں' آج دل نہیں چاہ رہا تھا کہ میں کسی سے بات کروں' اس لیے شام سے ہی اپنی کمرے میں تھی جب کہ اب تو رات کے نو بج رہے تھے۔ خاموش کمرے میں نظریں تو کتاب پر تھیں پر سوچ کہیں اور ہی سفر کر رہی تھی۔ میں شام سے کہاں ہوں' کسی کو کوئی فرق ہی نہیں پڑا۔ کوئی دیکھنے پوچھنے بھی نہیں آیا۔ آج تو بڑی امی کی آواز بھی نہیں گونج رہی' بڑی امی اور بڑے ابا شاید پارٹی میں گئے ہوں گے۔ ورنہ بڑے ابا مجھے نہ پا کر ضرور پوچھتے۔ حمزہ تو بڑی امی کی طرح ہے' ضرورت ہوئی تو پوچھ لیا ورنہ کیا فرق پڑتا ہے۔ میں جیوں یا مروں۔ ابھی ان سوچوں میں ہی تھی کہ ایک دم دروازہ کھلا اور حمزہ اندر آیا۔

"پاگل لڑکی! کیا کر رہی ہو۔۔۔؟"

www.urdupalace.com

"حمزہ' یہ کیا طریقہ ہے۔ تم دروازہ ناک کر کے بھی آسکتے ہو۔"

"کیوں؟ تمہارا دروازہ ناک کر کے آؤں' نوکر سمجھ رکھا ہے۔"

"حمزہ! اب ہم بچے نہیں ہیں سنا نہیں تھا بڑی امی نے کیا کہا تھا۔" میرے دکھ اور غصے کے ملے جلے احساس کو حمزہ سمجھ گیا تھا اس لیے اس کا لہجہ بھی دھیما ہو گیا جس میں قدرے اپنا پن چھلکنے لگا۔ حمزہ اسٹڈی ٹیبل سے ٹیک لگائے' میری طرف دیکھتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہنے لگا۔

"حرا میری طرف دیکھو۔" میں نے بہ مشکل حمزہ کے چہرے کو دیکھا۔

"اگر یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں میرا بچپنا ہے تو مجھے بڑا نہیں ہونا۔ تم بات نہیں کرتیں' دن میں ایک دو بار جھگڑا نہیں کرتیں تو میرا دن مکمل نہیں ہوتا اور ویسے بھی آج جو تم نے کیا ہے اس کی سزا دادو تمہیں دیں گی۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟" میرے چہرے سے پریشانی نمایاں ہوئی تو حمزہ کے چہرے پر شریر سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ تو دادو ہی بتائیں گی چلو اٹھو۔۔۔" میرے کان پکڑ کر کھینچے اور مجھے دادو کے کمرے کی طرف لے گیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی میں نے کیک پر لگی موم بتیوں کی روشنی سے کمرہ روشن ہوتے ہوئے دیکھا۔ دادو کے چہرے پر مسکراہٹ سجی ہوئی تھی انہوں نے بانہیں میری طرف پھیلائیں تو میں دادو سے لپٹ گئی۔ ساتھ میں میری آنکھوں کے کنارے بھی نم ہو گئے۔ حمزہ نے چھری میری طرف بڑھائی۔

"ہیپی برتھ ڈے حرا۔" تو میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس دن کو تو میں نے خود بھلا دیا تھا اور یہ ہی سوچا تھا کہ سب بھول چکے ہیں میرا اس دنیا میں آنا کچھ خاص نہیں ہے جیسا دوسرے لوگوں کا ہوتا ہے۔ میری سوچ غلط تھی کسی کے لیے نہ ہو حمزہ اور دادو کے لیے تو خاص ہی تھا۔ میرے چہرے پر بھی مسکراہٹ کھل اٹھی۔ کیک کا ٹکڑا میں نے دادو کی طرف بڑھایا تو حمزہ نے بھی اپنا بڑا سا منہ کھول دیا۔ حمزہ کی طرف بنا دیکھے میں کیک اس کے منہ میں رکھ کر جلدی سے دادو کی طرف مڑی۔

"دادو آپ کو ۔۔۔ یاد تھا۔۔۔؟"

بالکل۔۔۔ اور یہ شیطان بھولنے کب دیتا ہے۔" دادو نے حمزہ کی طرف اشارہ کیا تو میں نے بھی حمزہ کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا جس کی آنکھوں سے خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔

عجیب تھا یہ حمزہ بھی' کبھی جھگڑا کرتا تو کبھی بڑی امی سے ڈانٹ پڑوا کر خوش ہوتا تو کبھی میرے درد کو کم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ کتنے خوب صورت تھے یہ پل۔۔۔ یہ پل جو آج حمزہ کی وجہ سے۔۔۔ میری زندگی کے چند ایک خوب صورت پلوں میں شمار ہونے لگے۔ میری زندگی کے یادگار ہیں یہ پل۔

پھر کیک کاٹنے کے بعد ہم کافی دیر تک دادی کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ وقت کا احساس تب ہوا جب بڑی امی کمرے میں داخل ہوئیں' وہ لوگ پارٹی سے آچکے تھے۔ میں ایک دم سے ڈر گئی کیوں کہ ان کا سارا غصہ ہمیشہ کی طرح مجھ پر نکلنے والا تھا۔

"حمزہ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ تمہیں اس وقت اپنے کمرے میں ہونا چاہیے۔" حمزہ بڑی امی کی بات پر اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور حمزہ کے پیچھے میں بھی دادو کے کمرے سے باہر چلی گئی میں نے جاتے ہوئے ایک نظر بڑی امی پر ڈالی۔ غصے سے ان کی دماغ کی رگیں بھی پھول گئی تھیں جو ان کے چہرے سے صاف ظاہر تھیں میرے جاتے ہی بڑی امی نے دروازے سے باہر کی طرف دیکھا پھر ان کی آواز نے میرے قدم روک لیے' جب تک حمزہ اپنے روم میں جا چکا تھا۔

"ماں جی! آپ حمزہ کے دماغ میں ایسا کچھ نہیں ڈالیں گی جو مجھے منظور نہ ہو۔۔۔"

"رخسانہ میں تو بس۔۔۔"

"مجھے امید ہے آپ آئندہ اس بات کا خیال رکھیں گی۔" بڑی امی نے دادو کو اپنی بات بھی پوری نہ

www.urdupalace.com

کرنے دی اور اپنی بات کہہ کر چلی آئیں۔

میں بھاگ کر اپنے کمرے میں داخل ہوئی اور اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئی۔ کیوں بڑی امی دادو سے اس طرح سختی سے بات کر رہی تھیں۔ بڑے ابا کے سامنے تو وہ خود کو بڑا خدمت گزار بنا کر پیش کرتی ہیں اور ان کا اشارہ کس طرف تھا' ان کو کیا نامنظور تھا میں اپنے دماغ پر زور ڈال کر بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی اس لیے اپنی آنکھیں موند لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

جو بھی تھا آج اچھا دن تھا صرف حمزہ کی وجہ سے کچھ پل خوب صورت بنے جو میری خود کی دنیا میں شمار کرنے لائق تھے۔ اس لیے میں مزید بڑی امی کے بارے میں سوچ کر اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

آج آخری پرچہ دے کر آئی تو دیکھا کہ رانی اب تک گھر کی صفائی میں مصروف تھی اور اس سے کام بڑی امی اپنی نگرانی میں کروا رہی تھیں۔ میں کمرے میں بیگ رکھ کر چینج کر کے آئی تو بڑی امی نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

"مرا! کھانے کو دیکھ لو اور ہر چیز رانی سے صاف کروا کے رکھ دو۔ میں ذرا اپنے روم میں جا رہی ہوں۔"

میں نے ایک فوجی کے سلوٹ کرنے کے انداز میں "جی بڑی امی جی" کہا اور کچن کارنر کی طرف بڑھ گئی۔

اتنی تیاری کرنے کی تفصیل رانی نے بتائی۔ "بڑی بی بی جی کی دوست کی بیٹی دبئی سے آ رہی ہیں۔ اس کے لیے یہ سب تیاری ہے اور حمزہ صاحب انہیں ایرپورٹ لینے گئے ہیں بس اب تو وہ آنے والی ہوں گی۔ بڑی تعریفیں کر رہی تھیں جی۔۔۔"

"اچھا چلو' بس اب جلدی سے کام ختم کرو' تمہیں کہیں ڈانٹ نہ پڑ جائے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

رانی پھر جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔ ٹھیک ایک گھنٹے بعد مس زویا ہمارے گھر پہنچ چکی تھیں بڑی امی نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا تو زویا بھی نہایت سچی محبت کے ساتھ استقبال کا یہ روپ دیکھ کر خوب خوش ہوئی۔ زویا خود بھی بہت خوش مزاج لڑکی تھی' وہ اپنی پڑھائی کے کسی اسائنمنٹ کو مکمل کرنے پاکستان آئی تھی۔ آج میں دیر سے اٹھی۔ تقریباً" دس کے قریب کا وقت تھا۔ اسی لیے صبح کافی تازہ دم تھی۔ تھکن جیسے ختم ہو گئی تھی۔ دماغ ہر سوچ سے پاک تھا۔ میں فریش ہو کر ہال میں گئی تو سب کو دیکھ کر یاد آیا کہ آج اتوار ہے اس لیے آج سب گھر پر ہیں۔

بڑے ابا نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔ "میرے بچے کے پیپرز کیسے ہوئے ہیں؟"

"بہت اچھے ہوئے ہیں بڑے ابو۔۔۔" بڑے ابو کے لہجے میں اتنی مٹھاس تھی کہ بڑی امی کا منہ کڑوا ہوتے ہوئے محسوس ہوا۔ زویا نے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے میری طرف دیکھا تو میں اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"کیسی ہیں زویا آپ؟"

"بہت خوش ان فیکٹ میرا بھی کام تقریباً" ختم ہونے والا ہے۔" بڑی امی زویا کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

میں اٹھ کر کچن کارنر کی طرف گئی اور اپنے لیے چائے بنانے کے ارادے سے چولہے پر چائے کا پانی رکھا دیکھا تو بڑے ابا ڈی لاؤنج سے اٹھ کر دادی کے کمرے کی طرف جا رہے تھے اور جاتے ہوئے مجھے تاکید کر رہے تھے کہ حمزہ کے لیے بھی چائے بنا دو۔ اس نے ابھی ناشتا نہیں کیا تو میں نے بڑے ابو کی بات سن کر چائے کا پانی مزید بڑھا دیا۔ جب کہ بڑی امی زویا کے ساتھ مصروف تھیں۔ میں نے چائے نکالی۔ بریڈ ٹوسٹر سے نکالے' آملیٹ بنا کر ناشتے کی ٹرے تیار کر کے حمزہ کے لیے لے جانے لگی تو بڑی امی نے روک لیا۔

"بیٹا حرا! تم آرام سے ناشتا کر لو حمزہ کا ناشتا زویا دے آتی ہے۔" میں نے ایک نظر ٹرے پر ڈالی اور پھر ٹرے زویا کی طرف بڑھا دی۔ بڑی امی کی محبت بھری آواز پر میں ششدر رہ گئی تھی۔ ایک زمانہ بیت گیا تھا کہ کبھی انہوں نے مجھ سے اتنی اپنائیت سے بات کی ہو۔ زویا

www.urdupalace.com

کے جاتے ہی انہوں نے مجھے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کرنے کو کہا تو میں ناشتا لے کر وہیں بیٹھ گئی۔

چائے پیتے ہوئے میں نے رسمی انداز میں پوچھا۔ "بڑی امی! آپ کو بھی چائے دوں۔" تو انہوں نے منع کر دیا۔

"حرا میں چاہتی ہوں کہ زویا اس گھر کی بہو بنے۔" بڑی امی کے یہ الفاظ میرے اندر جیسے شیشے کے گھر میں پتھر کا کام کر گئے۔ یہ دل تو جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا۔ مجھے کوئی فرق تو نہیں پڑنا چاہیے تھا پھر کیوں چائے کا گھونٹ میرے حلق سے نیچے اترنا مشکل ہو گیا تھا۔

میں نے بڑی امی کو دیکھا تو وہ اپنی بات مکمل کرنے لگیں۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم زویا کو حمزہ سے بات چیت کرنے کا موقع دیا کرو۔" بڑی امی کے اس جملے پر میں نے ان کو دیکھا۔ یہ جملہ تھا یا تیز دھار سے وار ہوا تھا۔ میرے اختیار میں کہاں تھا جو میں انہیں موقع دیتی پھر بھی اثبات میں سر ہلانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

میں نے بڑی امی کی بات پر ابھی سے عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اب صرف دادو تھیں، جن کے سامنے میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی تھی۔ اس لیے میں دادو کے کمرے میں گئی اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ میں بات کرتے کرتے مسکرا تو رہی تھی پر میری آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ دادو کہیں نہ کہیں بھانپ گئی تھیں کہ مجھے بڑی امی نے کچھ کہا ہے۔ اس لیے پھر مجھے سمجھانے لگیں کہ میں کسی کی بھی باتوں کو دل سے نہ لگاؤں، خاص طور پر بڑی امی کی۔ کوئی لاکھ آپ کا برا چاہے پر جو خوشیاں آپ کی قسمت میں ہیں وہ اپنا راستہ بنا کر آپ تک پہنچ جاتی ہیں۔ بات اتنی مشکل تو نہ تھی پھر کیوں مجھے یہ بات مشکل اور پیچیدہ معلوم ہو رہی تھی؟

میں سامنے رہتے ہوئے بھی حمزہ سے جدائی سہنے کے لیے اپنے دل کو آمادہ کر رہی تھی اور پاگل دل ان سب باتوں کے لیے آمادہ نہ تھا۔ دل کہاں دنیاداری کو جانتا ہے، یہ دل تو اپنی ہی من مانی کرتا ہے۔ یہ کون سا راستہ تھا جس پر دل نے سفر کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ بات میں کسی سے شیئر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ یہ سب کیا ہے؟ کیوں ہے؟ میرے لیے یہ سب پریشان کن تھا۔ میرے اندر جنگ چل رہی تھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیے کیا نہیں۔ کیا درست ہے اور کیا غلط فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

میں آج سارا دن اپنے کمرے میں ہی رہی، نیچے جانے کو دل ہی نہ چاہا۔ نہ ہی کھانا کھایا۔ وقت بھی گزرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ کیوں آج کا دن پہاڑ کے جیسا لگ رہا تھا، میں چادر اوڑھے بیڈ پر لیٹی تھی، جب حمزہ آیا۔

دروازہ کھولتے ہی مجھے آواز دینے لگا۔

"حرا....."

میں نے ایسے ظاہر کیا کہ جیسے میں سو رہی ہوں۔ تب اس نے چادر میرے چہرے سے ہٹائی تو مجھے غصہ آ گیا کیوں کہ مجھے بڑی امی کی بات یاد آ گئی تھی۔

"حمزہ! یہ کیا بدتمیزی ہے تم بنا ناک کیے کمرے میں گھس آتے ہو۔ کتنی بار منع کیا ہے۔ تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتا کیا اس گھر سے بھی اب چلی جاؤں میں....." غصے اور غم سے ۔ میری آواز بھر آئی تھی۔

حمزہ ایک دم ساکت سا ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔ جیسے میری باتوں سے اس کی روح فنا ہو گئی ہو۔

"تم ایسے کیوں ری ایکٹ کر رہی ہو۔" اسی پل مجھے احساس ہوا کہ میں کچھ زیادہ ہی بول گئی ہوں۔ اس لیے موڈ کو بدلا۔

"حمزہ جاؤ، پلیز جاؤ....."

"میں تم سے پوچھنے آیا تھا کہ تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟"

"مجھے بھوک نہیں ہے حمزہ.... اب اور سوال نہیں.... مجھے اب سونے دو۔" حمزہ میرے سرد لہجے کو محسوس کرتے ہوئے الٹے قدموں باہر جانے لگا۔ اسے ابھی بھی کچھ امید باقی تھی کہ میں کچھ کہوں گی۔ "ہاں! جاتے ہوئے دروازہ بند کر دینا۔"

حمزہ کو مجھ سے ایسے رویے کی توقع نہ تھی۔ اس لیے دروازہ بند کرتے وقت اس نے کچھ پل مجھے دیکھا

www.urdupalace.com

جب کہ میں کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہمت نہ ہوئی کہ اس کے چہرے کو دیکھ سکوں اور پھر حمزہ دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ اس وقت واقعی مجھے اتنا دکھ ہوا کہ آنسو آنکھوں سے گر کر میرے چہرے پر پھیل گئے۔

☆ ☆ ☆

دل کا دکھ درد بانٹنے والا کوئی ہمدرد ہو تو زندگی کتنی آسان ہو جاتی ہے۔ دکھ بانٹنے سے کم ہو جاتا ہے۔ اس دکھ میں کوئی آپ کے ساتھ دکھی ہو تو آپ کو کسی اپنے کے ہونے کا احساس دنیا کے دیے ہوئے دکھوں سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ دیتا ہے۔ حمزہ کے بعد میری ایک ہی خاص دوست تھی فاریہ جو میری ہر مشکل کا حل ڈھونڈتی۔ میں نے جب اسے اپنے دل کا حال بتایا تو اس نے بنا سوچے سمجھے ایک نئی بات کا انکشاف کر ڈالا۔

"حرا! تمہیں محبت ہو گئی ہے۔ اس لیے تم حمزہ اور زویا کو ایک ساتھ برداشت نہیں کر پا رہی ہو۔" میں نے فاریہ کی بات کو ہنسی میں اڑا دیا۔ مجھے پتا تھا کہ وہ میرے موڈ کو بدلنے کے لیے یہ سب مذاق کر رہی ہے۔ کالج سے واپسی پر میرا موڈ کافی بہتر ہو گیا تھا جس سے تھکن اور بوریت ختم ہو گئی۔ ذہن پُرسکون ہو تو ہر چیز خوش گوار محسوس ہوتی ہے۔ اسی خوش گوار موڈ کے ساتھ میں گھر میں داخل ہوئی تو سامنے حمزہ اور زویا کو خوش گوار موڈ میں محو گفتگو پا کر دماغی سکون کہیں کھونے لگا۔ اور میں خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

پتا نہیں کیوں میری آنکھیں اتنا جل رہی تھیں۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی بیگ کو بیڈ پر پھینکا اور فون نکال کر کان سے لگاتے ہوئے دروازہ بند کرنے لگی تو سامنے حمزہ کو کھڑا پایا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیوں اس طرح کا برتاؤ کر رہی ہو حرا؟" میرے فون کی بیل مسلسل جا رہی تھی۔ دوسری طرف ہیلو کی آواز سنتے ہی میں نے فون پر کہا کہ "ماموں جان مجھے لے جائیں، کچھ دن نانو کے پاس رہوں گی۔" میری اس بات پر حمزہ کو یقین نہ آیا۔ وہ تو میرے جواب کا منتظر تھا۔

"کیوں جاؤ گی تم؟" حمزہ نے پھر ایک اور سوال کیا اور اب جیسے میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔

مجھے ڈر تھا کہ کہیں میں کمزور نہ پڑ جاؤں۔ کہیں میرے دل کا حال میری آنکھیں نہ عیاں کر دیں۔ میں نے حمزہ کو بازو سے پکڑ کر دروازے کی طرف کیا اور باہر دھکیلتے ہوئے دروازہ بھی بند کر دیا۔ دروازہ بند کرتے ہی میری آنکھوں کا سمندر بند توڑ کر بہہ نکلا۔

امی ابو کے بعد ماموں جان مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے، مگر بڑے ابا نہ مانے کیوں کہ میں ان کے بھائی کی آخری نشانی تھی۔ اسی طرح دادو بھی مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے بڑا ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھیں تو میں اس گھر میں ہی آ گئی۔ پھر کبھی نانو کے گھر جاتی تو ایک دن بعد ہی حمزہ ضد کر کے بڑے ابو کو لے آتا اور مجھے واپس لے جاتے جب کہ آج میں نے ہمیشہ کے لیے جانے کا فیصلہ صرف اپنے دل میں ہی کر لیا تھا۔

اس بات کا علم بڑے ابا اور دادو کو ہوتا تو وہ کبھی نہ مانتے۔ آج بھی حمزہ اس بات کو قبول نہ کر پا رہا تھا کہ میں کچھ دنوں کے لیے ہی نانو کے ہاں جاؤں۔ اب تو میں بھی اس گھر سے مانوس ہو گئی تھی، جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ جانے کی وجہ بھی تو صرف اتنی تھی کہ بڑی امی کے حکم کے مطابق مجھے حمزہ اور زویا کو اکیلے چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ دوسرے یہ کہ حمزہ کو کسی اور کے ساتھ دیکھ کر میرے دل کو تکلیف ہوتی۔ عجیب خود غرضی پر اتر آیا تھا یہ پاگل دل لاکھ سمجھانے کے باوجود سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ اس ضدی بچے کی طرح تھا جو اپنا من پسند کھلونا کسی کے ساتھ شیئر کرنے کو تیار نہ تھا۔

میں نے اپنے رخساروں پر اپنے ہاتھ کی انگلیاں رگڑتے ہوئے اپنے چہرے پر بہتے ہوئے آنسوؤں کو صاف کیا اور اٹھ کر الماری سے بیگ نکالا اس میں کپڑے اور کچھ ضروری سامان رکھا۔ اس کے بعد دادو سے ملنے ان کے کمرے میں گئی جہاں حمزہ پہلے سے

www.urdupalace.com

موجود تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں کئی سوال تھے۔ وہ دادو کو بھی میرے جانے کا بتا چکا تھا۔ وہ شاید دادو سے مجھے روکنے کی سفارش کرنے گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میں دادو کا کہنا کبھی نہیں ٹالوں گی۔

دادو کے گلے لگ کر میرے آنسو نکل آئے۔ "کیا ہوا میرے بچے....."

میں نے آنسو صاف کرتے ہوئے دادو سے کہا۔ "کچھ نہیں دادو! بس کچھ دنوں کے لیے نانو کے پاس جا رہی ہوں۔ آجاؤں گی۔" میں دادو سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔

اسی لیے وہ جان چکی تھیں کہ کچھ تو بات ہے جو میرے اندر اتنی توڑ پھوڑ ہو رہی تھی کیوں کہ دادو بڑی امی کی طبیعت سے بہ خوبی واقف تھیں۔ اب حمزہ سے برداشت نہ ہوا تھا وہ دادو سے التجا کرنے لگا۔

"دادو پلیز! روکیں اسے....." اور میں نظریں جھکائے کھڑی تھی جیسے میں نے حمزہ کی بات سنی ہی نہ ہو۔

"جانے دو حمزہ اسے کچھ دن 'نانو' ماموں اور ممانی کے ساتھ رہے گی تو اسے اچھا لگے گا اور اب تو اس کے امتحان بھی ختم ہو چکے ہیں۔" دادو کی ان باتوں پر میں نے دادو کو غور سے دیکھا۔ تو ان کی آنکھیں بھی نم ہی نظر آئیں۔

تب ہی رانی 'دادو کے کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی۔ "حرا..... آپ کے ماموں ہال میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" تو میں دادو کے ساتھ باہر آگئی حمزہ بھی ہمارے پیچھے تھا۔ میرا بیگ اسی نے گاڑی میں رکھا۔ بڑے ابا تو آفس میں تھے جب کہ بڑی امی زویا کے ساتھ مارکیٹ گئی ہوئی تھیں۔ گھر میں 'میں 'دادو اور حمزہ ہی تھے۔ دادو لاؤنج تک میرے ساتھ آئیں۔ میں گاڑی میں بیٹھ چکی تھی جب کہ ماموں دادو سے بات کر رہے تھے۔ جو گاڑی سے کچھ فاصلے پر تھے۔ حمزہ نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"حرا' یہ آخری بار ہے۔ اس کے بعد تم میری اجازت کے بنا کبھی بھی کہیں نہیں جاؤ گی۔" میں نے حمزہ کی طرف دیکھا تو میں جیسے پتھر کی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی مقناطیسی کشش تھی۔ جس نے مجھے باندھ ہی لیا تھا۔ میں اس کے چہرے کے ہر نقش کو جیسے حفظ کرنے لگی تب ہی دوسرا دروازہ ماموں نے کھولا اور حمزہ دروازے سے ہٹ گیا۔ اور ماموں سے بات کرنے لگا۔

میں نے دل میں سوچا کہ اب میں کبھی اس گھر میں واپس آؤں گی تو تمہاری اجازت درکار ہو گی۔ اب میں کبھی بھی اس گھر میں لوٹ کر نہیں آؤں گی حمزہ.....

میں سوچ میں گم تھی اور گاڑی سوسائٹی سے کراس کر کے کشادہ سڑک پر رواں دواں تھی۔ کچھ دیر بعد ہم دوبارہ ایک شاندار سوسائٹی میں داخل ہو گئے۔ ان ہی کشادہ گھروں میں ایک کشادہ گھر نانو کا تھا جس کے گیٹ پر ہارن دیتے ہی چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ بڑے سے لان کے ایک طرف پارکنگ ایریا تھا گاڑی وہیں کھڑی کر کے ماموں میرا بیگ لے کر گھر کی طرف بڑھے۔ میں بھی پیچھے ہی تھی۔

ممانی شازیہ اور ان کی بیٹی عالیہ داخلی دروازے پر ہمارے ہی استقبال کے لیے کھڑی تھیں۔ مجھے دیکھ کر عالیہ بے حد خوش ہوئی 'وہ مجھ سے ایک سال ہی چھوٹی تھی۔ اس لیے ہم دونوں میں کافی گہری دوستی تھی۔ ممانی مجھے پیار سے اندر لے گئیں 'میں نے گھر میں نظر دوڑاتے ہی نانو کا پوچھا۔

ممانی کہنے لگیں۔ "ان کی کمر میں درد ہے۔ جس کی وجہ سے ڈاکٹر نے بیڈ ریسٹ کی تاکید کی ہے۔ تم جا کر مل لو۔" میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میرے ساتھ عالیہ بھی چل دی۔

نانو ہمیشہ مجھے دیکھ کر خوش ہوتی تھیں۔ آج بھی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور ہمیشہ کی طرح آج بھی ان کے وہی کلمات تھے۔

"حرا میری بچی! تم آتی ہو تو ایسا لگتا ہے کہ میری حاجرہ آگئی ہے۔ خوش رہو میری بچی۔" میرے ماتھے پر بوسے دیے۔ کتنی ہی دعائیں ان کی زبان پر رواں تھیں جن میں پوری پوری سچائی تھی۔ ممانی نے بھی

www.urdupalace.com

رات کے کھانے کا خاص اہتمام کیا تھا۔ میرے پسندیدہ کھانے تیار کروائے تھے۔ عالیہ اور نانو کے ساتھ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ اب ممانی نے کھانے کے لیے آواز لگادی۔ میں اور عالیہ کھانے کی میز پر پہنچے تو وہاں ماموں موجود تھے۔ وہ مجھے گھر پر چھوڑ کر کہیں کام سے چلے گئے تھے اس لیے دوبارہ نظر نہ آئے اور اب وہ یہاں تھے۔ ماموں نے میری پلیٹ میں خود کھانا ڈالا۔

اور میرے سر پر ہاتھ پیار سے پھیرتے ہوئے کہنے لگے۔ "حرا کے آنے سے ہمارے گھر کی رونق دوبالا ہوجاتی ہے۔"

"وہ تو ہے جناب۔۔۔" ممانی نے بھی ماموں کا پورا پورا ساتھ دیا اور میں مسکرادی اور پلیٹ میں چمچہ گھمانے لگی۔

میرے ذہن میں اب بھی وہی گھر تھا اور یہاں میرا دل نہیں لگ رہا تھا۔

تب ممانی نے کہا۔ "کھاؤ بیٹا۔۔۔" تو میں نے چمچے سے نوالہ منہ میں رکھا۔

☆ ☆ ☆

یہ یادوں کا قافلہ رک کیوں نہیں جاتا۔ یہ لمحہ بہ لمحہ بدلتے احساس کا طوفان تھم کیوں نہیں جاتا۔ نادان سوچ اس پر بضد ہے۔ جو میرا نہیں، جس کا خیال میرا نہیں۔ یہ پاگل دل اتنی سی بات نہ سمجھ سکا اور اندھے گھوڑے کی طرح سراب کا پیچھا صرف خالی پن کے سوا کیا دے سکتا تھا۔ ان سوچوں میں غرق نیند نہ جانے کہاں کھو گئی تھی۔ میں نے اپنے برابر میں دیکھا تو عالیہ دنیا سے بے خبر سو رہی تھی۔

کچھ دن پہلے میں بھی ایسے ہی بے خبر، بے فکری کے ساتھ سویا کرتی تھی۔ جب کہ آج کا دن بالکل مختلف تھا۔ اس میں غلطی کس کی تھی میری، حمزہ کی یا پھر میرے دل کی۔ یہی سوچتے سوچتے میں نے اپنی آنکھیں موندلیں پھر میری بند آنکھوں میں حمزہ کا چہرہ نمودار ہونے لگا۔ اس کی وہ بات کہ "حرا آئندہ نہ جانے دوں گا۔" میں من ہی من مسکرادی کیوں کہ وہ وقت کبھی آنے والا نہیں تھا۔ پھر نہ جانے کب نیند کی پری مجھ پر حاوی ہوگئی۔ صبح کی کرنیں میرے کمرے کو روشن کررہی تھیں جن کی نرم گداز گدگدی سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ عالیہ اٹھ چکی ہے اور وقت بھی خاصا گزر چکا ہے تو میں بھی اٹھ کر فریش ہوئی۔ ہال میں گئی تو ممانی مجھے دیکھ کر مسکرادیں۔ وہ یقیناً میرا ہی انتظار کررہی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے نوری کو ناشتا تیار کرنے کا حکم دیا۔ میں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئی تو نوری ناشتا لے کر وہیں آگئی، ساتھ ہی ممانی بھی آکر بیٹھ گئیں۔ میں چائے پینے لگی۔

"حرا۔۔۔ تم خوش تو ہو نا۔۔۔ کوئی پریشانی تو نہیں ہے نا۔۔۔؟" ممانی کی کھوجتی نظروں کو دیکھ میں چائے کا گھونٹ لینا بھول گئی ایک پل کے بعد چائے کا گھونٹ میں نے حلق سے نیچے اتارا اور مصنوعی مسکراہٹ سجا کر ممانی کو بتانے لگی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ممانی جان۔۔۔ میں خوش ہوں۔۔۔"

"خدا ہمیشہ تمہیں خوش رکھے۔ میں بھی ایک بیٹی کی ماں ہوں۔ اصل مسکراہٹ اور مصنوعی مسکراہٹ کا فرق جانتی ہوں۔" ممانی کی اس بات پر میں شرمندہ سی ہوگئی اور نظریں جھکالیں۔

ممانی کی نظریں اب بھی مجھ پر گڑی تھیں۔

"وقت آنے پر میں آپ کو ضرور بتاؤں گی۔"

میرے اس جملے سے جیسے ان کو تسلی ہوئی تو انہوں نے مسکرا کر بات بدل دی اور ادھر ادھر کی باتوں میں مشغول ہوگئیں۔

میں ان سے باتیں اور ناشتا ساتھ ساتھ کرتی جارہی تھی۔

☆ ☆ ☆

بوندا باندی نے ہوا میں خنکی کا تناسب بڑھادیا تھا، سردی کی آمد تھی۔ موسم کی طرح احساس بھی سرد ہورہے تھے جب کہ اندر ارمانوں کو آگ لگی ہوئی

www.urdupalace.com

تھی۔ جو جل جل کر راکھ ہو رہے تھے۔ میں کھڑکی میں اداس بیٹھی باہر بارش کی برستی بوندوں کو دیکھ رہی تھی کہ میری نظر لان میں لگے اس پودے پر پڑی جو بڑے بڑے پودوں میں چھوٹا سا مگر نمایاں نظر آ رہا تھا۔ اس پر ایک عدد سُرخ رنگ کا پھول کھلا ہوا تھا جس کے ساتھ بارش کی بوندیں چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں۔ بارش کی بوند پڑتے ہی وہ پھول بھی جھوم جاتا اور کئی بل کھا کر رکتا کہ ایک اور شریر بوند اس کی مستی میں اضافہ کر دیتی میں اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی کہ اچانک میرے فون کی گھنٹی بجی تو میں نے فون پر دیکھا۔ حمزہ کا نمبر تھا میں نے واپس رکھ دیا۔

پھر میں بارش کو کھدی ہوئی زمین میں گرتے دیکھنے لگی۔ جہاں شاید نئے پودے لگانے کے لیے زمین تیار کی گئی تھی۔ اس کے اردگرد ہری بھری گھاس کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ جبکہ بارش کی بوندیں اس کھدی ہوئی مٹی میں جذب ہو رہی تھیں۔ کچھ ہی وقت میں وہ زمین تر ہو گئی۔ میرے موبائل پر میسج کی رنگ ہوئی تو میں نے موبائل پر دیکھا، حمزہ کا میسج تھا۔ "حرا! آئی مس یو۔" وہ میسج پڑھتے ہی میرے چہرے پر مسکراہٹ کھل اٹھی گستاخ دل نے ہلچل مچا دی۔ اس ہلچل میں سرگوشیاں ہونے لگیں کہ میں بھی جواب میں لکھ دوں "آئی مس یو ٹو ویری مچ" اور وہ سارے جذبات، جو اس کے لیے ہیں۔

پھر سوچ کا رخ بدلا کہ ایک لڑکی کا اپنی محبت کا اظہار کرنا کچھ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مشرقی لڑکی اپنی لاج اور شرم کی حد کس طرح پھلانگ سکتی ہے۔ بالکل نہیں..... اور وہ بھی مجھ جیسی لڑکی جس کے سر پر ماں باپ کا سایہ موجود نہ ہو۔ جو لوگوں کی باتوں کا منہ توڑ جواب دے سکتے ہوں، مجھ بے سہارا کے لیے اپنے جذبات کا گلا گھونٹنے میں ہی سمجھ داری ہے۔ ان سوچوں نے جیسے مجھے تھکا دیا تھا میں کھڑکی سے ہٹ کر اپنے بیڈ پر لیٹ گئی اور کئی خوش فہمیوں اور سوچوں میں غرق دنیا سے بے نیاز ہو گئی کہ میرے فون کی پھر سے گھنٹی بجی تو میں پھر سے واپس اسی دنیا میں آئی۔

میں نے فون پر دیکھا تو گھر کا نمبر تھا۔ جس کو زیادہ استعمال دادو کرتی تھیں۔ میں نے فون اٹھایا تو اس وقت بھی دادو ہی تھیں۔

"کیسی ہو میری بچی؟" حال احوال پوچھ کر کتنی ہی دعائیں دے ڈالیں۔ "خوش رہو! اللہ خوش رکھے، جگ جگ جیو....."

اور ان دعاؤں میں اتنا اثر تھا کہ میری ساری تھکن دور ہونے لگی۔

"بیٹا۔ میں نے کہا تھا نا کوئی کسی کو لاکھ باندھ کر رکھے، قسمت کو کوئی نہیں باندھ سکتا۔ اگر کوئی کسی کی خوشیوں کے راستے میں کھڑا بھی ہو جائے تو خوشیاں اپنا راستہ خود بنا کر اپنے حقدار کی جھولی میں سما جاتی ہیں۔" میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی جبکہ دادو کی بوڑھی آواز میں خوشی کی کھنک تھی۔ تو میں بھی ہنس دی۔ "شام تک انتظار کرو سب واضح ہو جائے گا۔"

"کیا دادو؟"

"میری دعاؤں کا اثر۔" دادو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ان کی آواز کا ترنم میرے کانوں میں رس گھول رہا تھا۔ جبکہ میں بات کی وجہ بھی نہ جانتی تھی۔ دادو کے فون بند کرنے کے بعد دل وسوسوں کے شہر کے انجان راستوں پر سفر کرنے لگا۔

کیا بات ہو سکتی ہے؟ دادو کس کا غرور چکنا چور ہونے کی بات کر رہی تھیں اور شام تک ایسا کیا ہونے والا تھا۔ جس سے ہر چیز واضح اور شفاف نظر آنے والی تھی۔ میرا دماغ ان سوچوں سے تھک چکا تھا۔ تو آنکھیں بند کر کے میں سکون محسوس کرنے لگی اور میری آنکھ لگ گئی۔

شام میں جب اٹھی تو گھڑی پر نظر دوڑائی پانچ بج رہے تھے۔ کمرے سے باہر آئی تو دیکھا کہ ہال میں بڑی امی اور بڑے ابا بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ حیران کن بات تو یہ تھی کہ ساتھ میں دادو بھی تھیں۔ ویسے دادو ان کے ساتھ کم ہی جاتیں۔ بڑے ابا پھر بھی دادو کو کہیں لے جاتے مگر رخسانہ بیگم کے ساتھ کبھی بھی

www.urdupalace.com

نہیں۔ ان کا رویہ ہی کچھ عجیب ہو تا اس لیے ان سب کو ساتھ دیکھ کر یہی سوچا کہ زویا اور حمزہ کی شادی کا دعوت نامہ دینے آئے ہوں گے جبکہ بڑی امی کے چہرے پر خوشی کی جگہ ناخوش گواری جھلک رہی تھی جبکہ بڑے ابا بہت مطمئن تھے اور دادو تو بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔

میں نے آگے جا کر سب کو سلام کیا۔ بڑے ابا نے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر دعائیں دیں جبکہ دادو ایسے ملیں جیسے وہ بھی میری طرح اداس تھیں جبکہ مجھے دیکھ کر بڑی امی کے چہرے پر جو پر مسکراہٹ تھی وہ غائب ہو گئی۔

پھر نانو کی آواز ابھری "یہ آپ کی بچی ہے ہمارے گھر تو ویسے ہی مہمانوں کی طرح آتی ہے۔ پھر بھی آپ نے ہم سے پوچھ کر جو عزت ہمیں بخشی ہے ہم اس کے لیے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔" نانو کی بات میرے پلے نہ پڑی تو بھی میں مسکرا کر بڑے ابا کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔ انہوں نے ایک بار پھر ہاتھ بڑھا کر میرے سر پر پھیرا اور کہا "تو آج سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرا بیٹی میری ہوئی۔" تو ماموں اور ممانی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

ماموں جی خوشی سے کہنے لگے۔ "بہت بہت مبارک ہو ماں جی آپ کو تو جیسے میرا دل بند مٹھی سے آزاد ہوا۔ ساری دھڑکنیں بیک وقت دھڑکنے لگیں۔

پھر میں سب سمجھ گئی کہ یہاں میرے اور حمزہ کے رشتے کی بات ہو رہی ہے تو میں شرماتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر کمرے میں آ گئی۔ میں خود پر ہنسی۔ شرمانے کی کیا بات ہے سب میرے اپنے ہی تو ہیں۔ میں مسکرانے لگی اور دل میں کئی ارمان سجانے لگی۔

تھوڑی دیر بعد ممانی، دادو کا ہاتھ پکڑے میرے کمرے کے اندر داخل ہوئیں۔ ممانی دادو کو چھوڑنے ہی آئی تھیں۔ دادو بیڈ پر بیٹھی ہی تھیں کہ میں اپنا سر ان کی گود میں رکھ کر لیٹ گئی تو پیار سے وہ میرے سر کو سہلانے لگیں۔ کتنا سکون میسر آ رہا تھا جسے میں بیس دن سے مس کر رہی تھی۔

دادو..... یہ سب کیسے ہوا؟

"بیٹا! اللہ کی مصلحتیں اللہ ہی جانتا ہے۔"

"دادو کیا حمزہ نے مجبور کیا ہے۔" میں نے دوبارہ سوال کر کے کریدا کہ وہ ان بیس دنوں میں جو ہوا ہے کچھ تو بتائیں۔

"ہاں.....!" دادو کی ایک ہاں نے جیسے میری زندگی خوشیوں سے بھر دی۔ میں نے مزید پوچھا۔

"پھر دادو....." میں مسکراتے ہوئے مزید پوچھنے لگی۔

"جب اس آدھی انگریز زویا کے ہتھکنڈے نہ چل سکے تو رخسانہ نے صاف کہہ دیا کہ میں زویا کی شادی حمزہ سے کرنا چاہتی ہوں جس کے لیے زویا کے گھر والوں کو بھی آگاہ کرنے والی تھیں کہ حمزہ نے کہا کہ میں زویا کا دوست ضرور ہوں مگر اس سے شادی نہیں کروں گا۔ حمزہ نے رخسانہ بیگم سے کوئی سخت رویہ اختیار نہ کیا بس خاموش ہو گیا۔ زیادہ وقت گھر سے باہر گزارتا، گھر پر بھی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔ تو پھر تیرے بڑے ابا نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ شادی صرف حرا سے کرے گا۔" اس بات پر دادو بھی مسکرائی تھیں اور پیار سے میرا ماتھا بھی چوم لیا۔ "میں تو ہمیشہ سے یہی چاہتی تھی۔ بس رخسانہ کی بد زبانی سے ڈرتی تھی۔ اس کا ذکر تمہارے بڑے ابا نے مجھ سے کیا تو میں نے شکرانے کے نوافل پڑھے اور کہا کہ نیک کام میں دیر کیوں، رخسانہ کو منانا تو بہت مشکل کام تھا۔ ویسے تو وہ مان ہی نہیں رہی تھی مگر پھر جب شوہر نے اپنی اہمیت جتائی تو وہ مان گئی۔"

"دادو! حمزہ کیسا ہے؟" میں نے ان کی گود سے اٹھ کر سامنے بیٹھتے ہی پوچھا تو وہ مسکرا دیں۔

"بہت بہت خوش ہے وہ۔ جس دن سے اسے پتا چلا ہے کہ تم اس کی زندگی میں آنے والی ہو۔ خوشی سے پھولے نہیں سماتا، بے حد خوش ہے۔" تب ہی مسکراتی ہوئی عالیہ کمرے میں داخل ہوئی اور دادو کو دیکھتے ہی کہا۔ "آنٹی لوگ جا رہے ہیں آپ بھی آ جائیں۔" تو دادو میرے سر پر ہاتھ پھیرتے اور میرے

www.urdupalace.com

گال پر پیار سے تھپتھپاتے ہوئے اٹھ گئیں۔ میں ایک بار پھر دادو کے گلے سے لگ گئی۔ کتنے خوب صورت پل تھے یہ جنہیں میں دل سے محسوس کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اٹھ جاؤ... گھر میں بہت کام ہیں اور وقت بھی بہت کم ہے۔" ممانی نے کمرے میں آتے ہی پردے ایک طرف کیے تو روشنی کی کرنوں سے کمرہ روشن ہو گیا۔ میں نے آنکھیں کھولتے ہی سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر دیکھا کہ حمزہ کا کوئی میسج یا کوئی مس کال تو نہیں، موبائل پر کچھ بھی نہ تھا یہ کیا بات ہوئی، یہی سوچ رہی تھی کہ ممانی کی آواز پھر کانوں سے ٹکرائی۔

"جلدی اٹھو حرا مارکیٹ جانا ہے۔ لسٹ تیار کرنی ہے، شادی والا گھر ہے۔"

"اوہو... ممی اٹھ جاتے ہیں۔" عالیہ یہ کہتے ہوئے چادر ڈھانپنے لگی تو ممانی اوپر دیکھتے ہوئے بولیں۔

"او خدایا اس لڑکی کو بھی کسی چیز کا ہوش نہیں۔ حرا تیار ہو کر نیچے آجاؤ اور اس لڑکی کو بھی لے آؤ ساتھ۔" ممانی نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور جاتے جاتے ساتھ لانے والا جملہ جو بولا وہ عالیہ کے لیے تھا جو پھر سونے جا رہی تھی۔ فوراً" اٹھ گئی آج کی صبح میرے لیے نہایت ہی خوب صورت اور خوشگوار تھی۔ سردی کے باوجود دل میں جو خوشی کی حرارت تھی۔ وہ سردی کے احساس کو زائل کر رہی تھی۔ میں نے الماری سے کپڑے نکالے اور واش روم میں جانے سے پہلے عالیہ کو جگا دیا۔ ہم تیار ہو کر ہال میں آئے تو ممانی ڈیکوریشن، کیٹرنگ والوں کو لائن میں کھڑا کر کے کچھ سمجھا رہی تھیں۔ ڈیکوریشن والا تو کچھ پھول بھی ساتھ میں لایا تھا۔ ممانی ان پھولوں کو دیکھ کر اپنا حتمی فیصلہ سنا رہی تھیں۔ جبکہ ایک طرف نانو اور ماموں بیٹھے شادی میں بلائے جانے والے مہمانوں کی لسٹ تیار کر رہے تھے۔ میں نے اس گھر میں اتنا وقت نہیں گزارا تھا پھر بھی اس گھر کے لوگ ایسے تیاریوں میں مصروف تھے جیسے میں اس گھر کی بیٹی ہوں۔ آج مجھے اپنی قسمت پر ناز محسوس ہو رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ گھٹنوں بیٹھ کر اس رب العزت کا شکریہ ادا کروں جس نے میری زندگی کو خوشیوں سے بھر دیا۔

☆ ☆ ☆

"بارات آگئی..."

ایک لڑکی بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ "حمزہ بھائی تو بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ ایسے جیسے کسی ریاست کے راج کمار..." وہ دوبارہ بولی۔ یہ لڑکی عالیہ کی دوست تھی جبکہ میرے چہرے پر آتے جاتے رنگ نمایاں تھے۔ میں آئینے کے سامنے بیٹھی تھی اور میک اپ ایکسپرٹ مجھے تیار کر رہی تھی۔ وہ بھی مجھے دیکھ کر مسکرا دی۔ اور عالیہ کی بات کا جواب دے ڈالا۔

"تو ہم بھی اپنی حرا کو راج کماری کی طرح بنا دیں گے بلکہ تیار ہونے کے بعد ہماری حرا ملکہ لگے گی۔" ابھی یہ باتیں چل ہی رہی تھیں کہ ممانی کمرے میں داخل ہو گئیں۔ وہ بھی بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔

"جلدی کرو لڑکیوں! نکاح کی رسم ہونے والی ہے۔"

ممانی دوسری لڑکیوں کو ساتھ لے کر چلی گئیں تاکہ باقی کی رسمیں ادا ہو جائیں۔ آخر کار وہ وقت بھی آ ہی گیا جب نکاح کے لیے قاضی، ماموں اور ان کے ساتھ دو گواہ اور بھی تھے اندر آگئے۔ نکاح کی رسم ادا ہو گئی۔ سب نے مبارک باد دی اور پھر آج میں حرا سے حرا حمزہ ہو گئی۔ کچھ عجیب سا احساس ہوا جیسے میں اندر سے بھی بدل چکی ہوں۔

☆ ☆ ☆

عروسی جوڑے میں جہازی سائز بیڈ پر بیٹھی میں حمزہ کا انتظار کر رہی تھی۔ کمرہ بھی دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ تازہ گلابوں کی خوشبو سے سارا کمرہ مہک رہا تھا۔ بھینی بھینی سی خوشبو عجیب سا احساس طاری کر رہی تھی۔ خواہشیں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ میں اپنی ہی

www.urdupalace.com

آہٹ سے چونک رہی تھی۔ پھر دروازہ کھلنے کی آہٹ ہوئی تو میں نے گھونگھٹ کی اوٹ سے ہی دیکھا تو حمزہ تھا، وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔ اس کی خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ جیسے لمبی ریاضتوں کے بعد اس کے دل کی مراد پوری ہوئی ہو۔ سچی مسکراہٹ اس کے چہرے پر رقصاں تھی۔

وہ میرے مقابل آکر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے میرے کام والے دوپٹے کو میرے چہرے سے ہٹایا تو شرم سے میں نے نظریں جھکالیں۔ اس کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی۔ اب تو شرارت بھی اس کے چہرے سے ٹپک رہی تھی۔ اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے میری ٹھوڑی سے میرے چہرے کو اوپر کیا۔ اور غور سے دیکھنے لگا پھر اپنی جیب سے ایک مخملی ڈبیہ نکالی۔ جگمگاتی انگوٹھی نکال کر میرے ہاتھ کی انگلی میں پہنانے لگا تو مجھے اچانک زویا کا خیال آگیا۔

"زویا کیوں چلی گئی؟"

"میں کہاں چاہتا تھا کہ وہ جائے مگر کیا کرتا اسے کوئی آدھا انگریز پسند آگیا تھا۔ مجھے چھوڑ کر وہ ہمیشہ کے لیے چلی گئی۔ بے چارہ میں یہاں پھنس گیا۔" آخری الفاظ پر حمزہ کی ہنسی چھوٹ گئی تو میں سر سے پاؤں تک جل گئی اور اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی۔ حمزہ گرتے ہوئے انداز میں بیڈ پر پیچھے کو ہٹ گیا۔ پھر کچھ لمحوں بعد اٹھ کر میرے قریب آگیا۔ میرے چہرے کے بدلتے تاثرات کو دیکھنے لگا۔ پھر ایک ہاتھ سے میرے چہرے کو اپنے مقابل کرتے ہوئے مجھ سے گویا ہوا۔

"میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ میری شرٹ کے بٹن ٹانکنے کا حق میں تمہارے علاوہ کسی اور کو دوں، کسی اور کے قریب آنے سے مجھے وحشت سی ہوتی ہے۔ شاید میں کسی اور کے بارے میں سوچنا ہی نہیں چاہتا تھا۔" اس کی مدھم ہوتی آواز سے مدہوشی جیسے سُر بکھیر رہے تھے۔ اور میرے اردگرد کی دنیا گلابی ہوتی جارہی تھی۔

☆